ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر نازیہ یونس

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ناول "یا خدا" کا نسائیت کے تناظر میں تنقیدی مطالعہ

Dr. Nazia Younis

Assistant Professor, National University of Modern Languages, NUML Islamabad.

A Critical Study of "YA KHUDA" with respect to Feminism

YA KHUDA is a master piece writing of legendary Qudrat ullah Sahab. He is famous for his SAHABNAMA, a bio-ghaphy. YA KHUDA is, in fact, highlighting the brutal attitude of power players, during the partion of August 1947. At the same time, it is also deal with the Feministic discussions. This research article is a related to this aspect.

Keywords: *Feminism, Qudrat ullah Sahab, Dilshad, Partition of 1947, women rights, Research Articles.*

کارل مارکس تاریخ انسانی کا ایک ایسا اہم اور منفرد کردار ہے جس نے اپنے نظریئے سے عالم میں ایک ایسے مہا بیانیے کی اساس رکھی جس کے باعث پوری دنیا میں ایک نیا سماجی نظام متعارف ہوا۔ اس بیانیئے نے انسانیت کو ایک ایسا نظریاتی و عملی نظام عطا کیا جس کی وجہ سے دولت کی پیدائش، دولت کا تبادلہ، دولت کا صرف اور دولت کی تقسیم کا طریقہء کار سرمایہ دارانہ نظام کی بالا دستی کو چیلنج کرتا ہوا دکھائی دیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک ایسا فلسفہ تھا جس میں انسان کے مادی تقاضوں کا احاطہ کیا گیا۔

مارکسی تانیثیت نے ادب پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس کے نزدیک ایک عورت بھی جیتی جاگتی انسان ہے اور اس کے بھی ایک مرد کی طرح انسانی تقاضے ہیں۔ جس طرح ایک مرد کو اپنے فرائض کی تکمیل سرشاری کا احساس دلاتی ہے، بالکل ایک عورت کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے زندگی کا حق دیا جائے اور اس کی حفاظت بھی کی جائے۔

تانیثی تحریک کو بنیادی طور پر تین ادوار کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی ابتداء مغرب سے ہوئی۔ فرانس کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔ دنیا میں سب سے اہم پیشرفت یہ ہوئی کہ عورتوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے اندر اعتماد پیدا کیا اور اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے آواز اٹھائی۔۔ مارکسی تانیثی مباحث کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کسی عورت کا استحصال اس بنیاد پر نہیں ہوتا کہ اس کی جنس زنانہ ہے بلکہ اس رویئے کی اصل دجہ یہ ہے کہ وہ عورت کمزور ہے۔ اس کمزوری کا ایک درجہ تو یقینی طور پر سیاسی ہے اور اس سے اہم درجہ اس عورت کا معاشی طور پر خستہ حال ہونا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق

> مارکسی تنقید میں ادب کے مطالعہ کے لیے سماجی حالات، طبقاتی تقسیم اور تاریخ کے مادی عوامل کا جائزہ لینا ازحد ضروری ہے کیونکہ ان سب کے درست تجزیئے کے بغیر کسی ادب پارے پر صحیح تنقید نہیں ہو سکتی۔ (۱)

اگر فیروز الغات میں اس لفظ کی کھوج لگائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کی اس سے مراد ہے "تذکیر کی ضد"، یعنی مونث ہونا،(۲)۔ اس سے یہ بات طے ہو گئی کہ تانیثیت کی بحث اس تناظر میں ہے جس میں ہم خواتین کے حوالے سے مباحث کرتے ہیں۔ ادبیات میں عورت کا موضوع بنیادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

تانیثیت کا عام نظریہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے ہی منظرِ عام پر آچکا تھا، تاہم اصولی درجے میں تانیثیت کی تحریک کی تاریخ کو انیسویں صدی عیسوی سے ہی شمار کیا جاتا ہے، جب عورت کے حقوق کا مطالبہ اجتماعی سطح پر کیا جانے لگا۔ چونکہ اس نظریے پر عملی کام کا آغاز مغربی دنیا کے حصے میں آیا اور مشرقی کی روایتی عورت کو اس صدائے بازگشت کی طرف توجہ کر کے اپنے آپ کو طاقت ور کرنے کا موقع دستیاب ہوا۔ تانیثیت کی تعریف کی بات کی جائے تو اس حوالے سے بڑے پیمانے پر علمی اور تحقیقی میدان میں بہت ہی زیادہ کام ہو چکا ہے۔ انگریزی اور اردو لغات میں اس بارے چند حوالے درج ذیل ہیں۔

> "The belief and the aim that women should have the same rights and opportunities as men,"(3)

یعنی اس بات کا عقیدہ رکھنا کی عورتیں بھی مردوں کی طرح برابر ہیں اور کسی بھی شعبہ زندگی میں کارنامے سرانجام دے سکتی ہیں۔

> اردو لغت میں تانیثیت کا مطلب مونث ہونا، مونث بنانا یا تذکیر کی ضد ہے۔(۴)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN (Online): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

فہمیدہ ریاض اردو زبان و ادب میں تانیثیت کے حوالے سے ایک اہم نام ہیں۔ آپ کو بجا طور پر پاکستان میں تانیثیت کے حوالے سے اردو ادب میں ایک سرخیل کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ آپ نے اس نظریئے کے حوالے سے کٹھن مراحل اور مشکلات کا بھی سامنا کیا ہے۔ آپ نے تانیثیت کے حوالے سے اس طرح بات کی ہے۔

> فیمینزم ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مطلب لوگ اپنی اپنی طرح سمجھتے رہتے ہیں۔ مگر میں نے اسے جب بھی استعمال کیا ہے، یا کہا ہے کہ میں فیمینسٹ ہوں تو ہر بار میرے ذہن میں اس کا مطلب یہی رہا ہے کہ عورت کے مکمل انسانی وجود کو تسلیم کیا جائے اور اسکے کسی بھی پہلو کو کچل کر نابود کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔(۵)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ عورت کا وجود اس کائنات کا ضروری اور لازمی خاصہ ہے۔ عورت ذات کے بنیادی کردار کا انکار کر کے کسی بھی سوسائٹی جو عدل کی بنیاد پر استوار ہو، اس کا آگے بڑھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ ادب کی عالمی تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے اور تو انکشاف ہو گا کہ تانیثیت ادبیاتِ عالم کا ایک اہم اور خاص موضوع رہا ہے۔ ہر بیتی شام گزر جانے کے ساتھ ساتھ اس اہم بحث کے اندر نت نئی وسعتیں اور جہتیں اپنا آپ پیش کر رہی ہیں۔

اگر اسی پس منظر میں انسانی ارتقاء کے اس دور پر بھی نگاہ ڈال دی جائے جس میں مرد کے بجائے عورت معاشرتی تشکیل کی ذمہ دار تھی اور اس حوالے سے اس کے پاس فیصلہ سازی کے اختیارات بھی موجود تھے۔ اس دور کو تاریخِ عالم میں مادر سری دور کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں عورت ہی حاکم تھی اور مرد اس کی حاکمیت کو قبول کیے ہوئے تھے۔ اس دور کی اگر مذہبی صورتِ حال کا جائزہ لے لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عورت کو ایک مقدس کردار اور روپ میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ عورت کی حیثیت ایک مطلق العنان حاکم کے طور پر مسلمہ تھی۔ عورت سے منسوب دیوی اور اصنام کو اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس سماج میں عورت پر استحصال اور ظلم کی وہ کیفیت نہ تھی جو ایک روایتی سماج میں ہو سکتی ہے۔ بعد ازاں، جب اس صورتِ حال میں تبدیلی آئی تو حالات کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس کو سماجی کایا پلٹ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس صورتِ حال میں پورا سماجی ڈھانچہ تبدیل ہو گیا۔ وہ عورت جو کبھی اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان تھی، اگلے ہی لمحے ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہو گئی، جس میں اس کے لیے اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔

اس پدر سری سماج میں عورت کا وجود بھی اس بحث کا موضوع بنا کی کیا واقعتاً عورت کے وجود پر انسان کا اطلاق ہو گا یا یہ کوئی انسان نما مخلوق ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس امر پر بھی بحث کی گئی کہ کیا جاندار حیوان کی حیثیت میں انسان سے مختلف ہے؟ چنانچہ اس پس منظر میں جب عورت کو بالکل ہی انسانی درجے سے گرا دیا گیا تو اس صورتِ حال میں عورت کی پہچان گم ہونا شروع ہو گئی۔ اس وقت عورت ایک ایسے نفسیاتی، معاشی اور سیاسی دباؤ کا شکار ہو گئی جس میں اسے اپنے وجود کو بر قرار رکھنا دشوار ہو گیا۔ پدر سری سماج جب اپنے جبر کے نقطۂ عروج تک پہنچا تو عورت میں بھی بیداری کا احساس پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ دوسری طرف عورت ذات کے ساتھ ساتھ سلیم الفطرت مرد بھی اس غیر انسانی سلوک سے سخت نالاں تھے۔ جس طرح ہر عروج کو ایک زوال یقینی امر ہے کہ مصداق، پدر سری سماج کے اس دیو ہیکل قلعہ میں دراڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ جب عورتوں کے اندر اپنے حقوق کی بابت احساس اور شعور بیدار ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی کی طرف واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ ایک ادیب کے طور عورت کے کردار کو ہی دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سب سے پہلے عورت کے ذہن میں ہی اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کا احساس پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا۔ چنانچہ خواتین لکھاریوں نے اپنے جذبات، احساسات اور محسوسات کا اظہار اپنی تخلیقات میں کرنا شروع کر دیا۔ یہ بنیادی طور پر تانیثیت کے حوالے سے ایک تاریخی پس منظر تھا جس میں عورت کا اپنے تشخص کو حوالے سے کی جانے والی جدوجہد کا بیانیہ ظاہر کیا گیا ہے۔

تانیثیت دراصل عورت کو اس کا بحیثیت انسان تسلیم کرنے اور اسے اس بنیاد پر حقوق کی فراہمی کا نظامِ فکر و عمل ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے فیمینزم کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ فیمینزم اس احساس اور رویے کا نام ہے جس کے تحت اس تصور کو پرکھا جاتا ہے کہ معاشرے میں عورت مظلوم ہے اور اس کا استحصال کیا جارہا ہے۔ اس صورتِ حال کی شعوری تبدیلی کا نام فیمینزم ہے۔ تانیثیت نام ہے اس احساس کا کہ سماج پر پدر سری نظام مسلط ہے اور مادی اور فکری حوالے سے عورت ذات کی محنت، جنسیت اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا اس کے اپنے خاندان، کام کرنے کی جگہ، الغرض پورے سماج میں استحصال کیا جارہا ہے۔ اسے کچلا جارہا ہے اور جو مرد یا عورت اس صورتِ حال کو بدلنا چاہتے ہیں وہ فیمینسٹ ہیں۔ مارکسی تانیثی تصور بھی بڑی حد تک اس کے قریب قریب ہی ہے کہ عورت پر کسی بھی درجے میں ظلم کا رویہ نہیں ہونا چاہیے اور اس تناظر میں کسی بھی درجے میں اس غیر انسانی سلوک کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تاہم اس کی عملی تشکیل کے حوالے سے مارکسی تانیثی تصور ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ہے کہ اس امر کی ضمانت فراہم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ایک ریاست ہی اس ماحول کے قیام کو یقینی بنا کر محفوظ بنا سکتی ہے۔

اردو زبان اس حوالے سے بہت زیادہ خوش قسمت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ ءاتم موجود ہے کہ اپنے دجود کی بقاء کے لیے ہر ممکن اقدام اٹھانے میں لیت و لیل سے کام نہیں لیتی۔ اس حوالے سے جب ہم اردو ادب پر مارکسزم کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یونائیٹڈ سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک جسے عام طور پر روس کو نام سے پکارا جاتا ہے، اس ملک کا نظامِ فکر و عمل نہ صرف اس کے اپنے سماج میں بلکہ پورے عالم میں بہت سی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں جب روس میں زار سلطنت کا تختہ الٹا گیا تو ایک نئے سماج کی بنیاد رکھی گئی، جس میں ریاست کا ایک بنیادی کردار تھا۔

اسی فکر و فلسفہ کے تناظر میں ادبیات کی تخلیق کا آغاز ہونا شروع ہو گیا۔ جلد ہی اس کے اثرات دنیا کے دیگر معاشروں تک پہنچنا شروع ہو گئے۔ تانیثیت کی مباحث کا ادبی اور علمی حلقوں میں چرچا بڑے زور و شور سے بلند ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں مارکسی فکر سے متاثرہ ادیبوں نے ادب برائے ادب کے برخلاف ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند کیا اور اس بات پر شد و مد سے زور لگایا کہ ادب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانوں کے حقیقی مسائل کی ترجمانی جھلکتی ہوئی نظر آئے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے ہاں ترقی پسند تحریک کا بھی انتہائی جوش و جذبے کے ساتھ آغاز کیا۔ اس تناظر میں مارکسی تانیثی تصورات کے تانے بانے بھی تشکیل کے مراحل سے گزرنے لگے۔ مارکسزم نے ادب پر انتہائی گہرے اثرات ڈالے۔ سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اس کی بدولت ادبیات میں ایک نئے منہج اور مسلک کا اضافہ ہو۔ زندگی کے حقائق کو ایک نئے تناظر میں سمجھنے کا موقع میسر آیا اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ادب کی تخلیق کی بابت ایک نیا اور منفرد بیانیہ سامنے آیا۔ اس فکر کو دل و جان سے قبول کرنے والوں نے تو اسی تصور کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تو یہ کوئی انہونی بات نہ تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ادیب جو نظریاتی طور پر اس کے برخلاف اپنا جداگانہ نقطہ نظر رکھتے ہیں ان کے ہاں بھی اس کے اثرات بھی بڑے گہرے رنگ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ مارکسی تانیثیت کا مطمعِ نظر عورت کی معاشی زندگی کا پہلو بہت نمایاں اور واضح ہے اس لیے تانیثت کے اس تصور کی بازگشت کو کسی بھی دبستان کے حامل ادیب اور اہل قلم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مارکسی تحریک نے جب ہندوستان میں اپنے اثرات ڈالنا شروع کیے تو اس کا سب سے اہم پہلو اور اظہار ترقی پسند تحریک کی شکل میں ہوا۔ اس حوالے سے سجاد ظہیر اور ان کے دیگر

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

احباب کا نام آتا ہے۔ ان حضرات نے ادب برائے ادب کے مقابلے پر ایک نیا بیانیہ دیا جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ ادب کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہئے۔ یہ انسانوں کے بنیادی مسائل کی عکاسی کرتا ہو اور اس کے ذریعے سے قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھایا جا سکتا ہو۔

قدرت اللہ شہاب کی یہ تحریر افسانہ ہے یا ناولٹ، اس حوالے سے نقادوں کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے طویل افسانہ قرار دیتے ہیں اور بعض اسے ناولٹ کی ذیل میں شمار کرتے ہیں۔ اس حوالے سے علماء کا علمی اختلاف اپنی جگہ قابلِ مطالعہ بحث ہے، مگر اس بحث کا اگر منطقی انجام نکلنا ہی ضروری ہے تو اس حوالے سے مصنف قدرت اللہ شہاب کے کہے ہوئے بیان کو حتمی قرار دے کر اس بحث کو مکمل کیا جا سکتا ہے۔ ''یا خدا'' کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں گویا ہوئے ہیں۔

> یہ طویل افسانہ سب سے پہلے ''نیادور'' کے فسادات نمبر میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد احباب کا اصرار ہوا کہ ناولٹ کے طور پر اسے کتابی صورت میں بھی ضرور چھاپنا چاہیے۔ محترمہ ممتاز شیریں مرحومہ نے ایک دیباچہ تحریر فرمادیا اور ''یا خدا'' کی جگہ ''آزادی کے بعد'' رکھ کر بھی کاروبار کیا۔ [۶]

اس بنیادی تنازعے کے تصفیے کے بعد اس کی بنیادی کہانی اور کردار بھی جاننا بہت اہم معلوم ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر اس تحریر میں تقسیمِ ہند کے پس منظر میں ہونے والے فسادات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تقسیمِ ہند تاریخِ عالم کا ایک ایسا اہم اور دلخراش باب ہے جس کی بازگشت آج بھی اپنی اندوہناکی اور دلخراشی کے ساتھ محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس موضوع پر ادباء نے بہت تواتر اور تسلسل سے لکھا ہے۔ اس اہم انسانی المیے کے نتیجے میں انسانوں کا بے دریغ قتلِ عام ہوا۔ قدرت اللہ شہاب نے اس اہم انسانی المیے کو اپنے افسانے کا موضوع بنا کر اسے ایسی معنویت عطا کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

اس افسانے کی سب سے اہم کردار ''دلشاد'' نامی خاتون ہے، جو اعلانِ آزادی سے قبل دیگر مسلمانوں کی طرح اپنی آنکھوں میں ایک ایسے معاشرے کا خواب سجائے ہوئے تھی، جس میں ان کی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزارنے کو ممکن بنایا گیا ہو۔ دلشاد بھی جب اپنی خوابوں کی سرزمین یعنی پاکستان کی طرف سفر کا آغاز کرتی ہے تو اسے بلوائیوں کے حملے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اس کے ساتھ جنسی زیادتی کرتے ہیں اور اس عورت کی تذلیل کر کے اس ایسے کام کے لئے مجبور کرتے ہیں, جس طرف وہ جانا نہیں چاہتی۔ قدرت اللہ شہاب دراصل اس منظر میں

عورت کی بے بسی اور اس کا کرب بیان کر رہے ہیں۔ ایک طرف وہ عورت اپنے سیاسی اور سماجی تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ایسے جرات مندانہ اقدام کا فیصلہ کرتی ہے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان میں منتقل ہو۔ اس وقت اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا جب اسے اس مقدس سرزمین کے سرکاری کارپردازوں کی طرف سے زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ وہ اس صورت حال میں مجبور ہو جاتی ہے اور خود کو بے بس جان کر خود کو خالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی ہے۔

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے "یا خدا" کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

> ہجرت سے متاثر ہو کر لکھے جانے والے افسانوں میں قدرت اللہ شہاب کا طویل مختصر ترین افسانہ اس دور کے بہترین افسانوں میں سے ہے۔ اس میں انسان درندے کا روپ اختیار کر لیتے ہیں اور جو ظلم و ستم انگریزوں کے دورِ غلامی میں بھی نہ دیکھا، نہ سنا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ آزادی کے پہلے تحفے کی صورت میں ملتا ہے۔۔۔ اس میں اس دور کے ایک الم ناک منظر کو سلیقے سے افسانے کی صورت دی گئی ہے۔ [۷]

"یا خدا" میں عورت ذات کی بے بسی اور اس کی بے چارگی کو بہت دلخراش انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ اس منظر کی تصویر کشی کر کے قدرت اللہ شہاب نے گویا اس کو فلم کی صورت میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ عورت جس کی معیشت آزاد نہیں ہے وہ بھلا کیوں کر اس ماحول میں اپنا آپ محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ایک طرف تو اس میں عورت کی مفلوک الحالی کا بیانیہ ہے تو دوسری طرف اس کے اندر ہمیں نام نہاد مذہبی گروہوں کی اجارہ داری بھی سامنے آتی ہیں۔

ڈاکٹر شفیق انجم اس حوالے سے اپنی کتاب، اردو افسانہ، (بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں) جب قدرت اللہ شہاب کے افسانے "یا خدا" پر روشنی ڈالتے ہیں تو اس طرح اظہار فرماتے ہیں۔

> "اس افسانے میں بظاہر ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جسے خالصوں نے فسادات کے موقع پر مسجد کے حجروں میں بند رکھا اور وہاں اس کی عصمت دری کر کے اپنی دانست میں ساڑھے تیرہ سو سال کی اذانوں اور نمازوں کا بدلہ چکاتے ہیں"[۸]۔

بنیادی طور پر یہ ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی تحریر ہے جس نے بجا طور پر ادب کے معیارات کو از سرِ نو جائزہ لینے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر فوزیہ اسلم نے دلشاد پر ہونے والے اس بربریت اور مظالم کو اس نظر سے دیکھا ہے۔

> "شہاب نے اس افسانے میں صرف عورت کی ٹریجڈی ہی نہیں دکھائی بل کی بکھرے ہوئے خواب بھی دکھائے ہیں" (۹)

دلشاد کی کہانی اس عورت کی پیتا ہے جو اپنی روٹی، اپنے لباس اور اپنے سر پہ سائبان نہ ہونے کے باعث اپنی زندگی سے لطف اندوز ہونے سے قاصر ہے۔ دلشاد نے جب ایک معصوم بچی کو جنم دیا تو اس وقت وہ ریل گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ کسی نے اس کی اس صورت حال پر ترس نہ کھایا اور جب اسے مجبوراً ریل وے اسٹیشن پر پناہ لینی پڑی تو اس موقع پر عورت کو بھرپور نفرت کا اظہار ملا۔ انور اور رشید کی اس موقع پر ہونے والی گفتگو ملاحظہ ہو، جس میں وہ دلشاد کی نومولود بچی کو دیکھ کر بڑبڑاتے ہیں۔

"آخ تھو" انور کو ابکائی سی آئی۔

"لاحول ولا قوۃ" رشید کا جی متلایا۔

وہ دونوں بھائی قے کرتے کرتے بچے، اور تیز تیز قدم وہاں سے چلے گئے۔

۔۔۔رشید اور انور نے چھلانگیں مار کر ریل کی پٹڑی کو عبور کیا اور ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اس خوب صورت عورت کے تعاقب میں چل کھڑے ہوئے۔ (۱۰)

اس مقام پر عورت کو انتہائی بے بسی اور غلامی کی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ وہ عورت جو اپنی آنکھوں میں مغرب کا ایسا تصور لے کر آئی تھی کہ گویا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب سچ ہونے جا رہا ہے۔ اسے ایک ایسا سماج ملنا ہے جہاں مذہبی فریضے کے طور پر انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بنانا، یہاں کے ہر باشندے کا طرہِ امتیاز ہو گا۔ الغرض ایسی سرزمین ہو گی کہ جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس وطن میں کسی انسان کو اس کے بنیادی حق سے محروم نہ کیا جائے گا اور یہاں کے باشندوں کو اپنی زیست کو دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو گا۔ اس تمام تصوراتی اور وجدانی کیفیت کا اس وقت خاتمہ ہو جاتا ہے جب دلشاد کو اپنے پیارے وطن میں ایسے کردار ملتے ہیں جو خالصوں کی طرح اس کے بدن سے اپنی ہوس کی آگ بجھانا چاہتے ہیں۔ دلشاد کو وہ لمحہ بھی نہیں بھولتا جب رحیم بخش کے ساتھ وہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کو کسی غم اور

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

تکلیف سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ اس کے لیے ہر دن عید کا تھا اور ہر رات شب برات ہو گی۔ یہ کہانی جب اپنے انجام کو پہنچتی ہے تو صورت حال بہت ہی زیادہ بھیانک ہو جاتی ہے۔ اس حوالے سے دلشاد کا وہ مکالمہ تو ملاحظہ ہو:

ایک جھونپڑی میں چادر تان کر دو حصے کیے گئے ہیں۔ سامنے کی طرف دلشاد پکوڑیاں تل رہی ہے۔ پچھلی طرف زبیدہ دہی بڑے لگائے بیٹھی ہے۔

ایک لمبا تڑنگا پٹھان پکوڑیوں کے سامنے پھسکڑا مارے بیٹھا ہے۔

گرم گرم پکوڑیاں ہیں، خان، ـــــ کھالو ـــــ بولو کتنے کی دوں؟

"نرم ہے، خو، گرم ہے؟ پٹھان نے آنکھ ماری۔

ہاں خان! نرم ہے، خو گرم ہے!۔ (۱۱)

اس اقتباس میں عورت کا دجود انتہائی حد تک مظلومیت اور فرسودگی کا شکار نظر آتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اپنی ذات تک کو گروی رکھ لینے پر تیار ہے۔ اسے اس حوالے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ مارکسی تانیثت کا تصور عورت کو اس بات کی ضمانت فراہم کرتا ہے کی وہ اپنی ذاتی اور اجتماعی حیثیت میں پر اعتماد ہو کر زندگی کا سفر آگے بڑھائیں۔

قدرت اللہ شہاب کا "یا خدا" ایک دلچسپ اور فکر انگیز ناولٹ ہے۔ یہ کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ عورت پر ہونے والا ظلم آخر کار اسے شدت کی صورت میں سامنے آتا ہے اور حالات کو اپنا رخ بدل جانے پر قائل کرتا ہے۔ عورت پر صدیوں سے جو ظلم ہو رہا ہے اسے اس کی قسمت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک سرمایہ دارانہ نظام عورت کی صلاحیتوں سے استفادہ بھی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف ان کے سماجی مقام و مرتبے کو ایک ایسی سطح پر لے جاتا ہے جہاں ان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ "یا خدا" اس اعتبار سے ایک اہم تصنیف ہے جس میں عورت کو ایک ظالمانہ نظام سے جنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اس سماج کی ایسی تصویر کشی کہ جس کے ذریعے اس گھٹن زدہ ماحول کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ہر انسان کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جن بنیادی امور کی طلب ہوتی ہے ان میں روٹی، کپڑا اور مکان، بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ کارل مارکس نے اپنا نظریہ پیش کیا تو اس کے ہاں عورت کوئی الگ مخلوق نہیں تھی بلکہ وہ اس انسانی برادری کا جزو لاینفک ہے، اس کے بغیر سماج نہ تو تشکیل دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی تعمیر۔ قدرت اللہ شہاب نے جس انداز میں عورت پر روا رکھے جانے والے سلوک کو اپنی تحریر میں واضح کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دلشاد کسی ایک عورت کا نام نہیں ہے جو کسی بیگانے ماحول میں ہے، بلکہ ایسی

عورت ہے جس کا وجود اس سماج پر بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ ہر کوئی اسے بری نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے گھر میں بھی محفوظ نہیں اور نہ ہی وہ معاشرے میں محفوظ ہے۔ اسے اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے سہارے کی ضرورت ہے۔ مارکسزم بنیادی طور پر اس عورت کو ایک ایسا سماجی ماحول فراہم کرنے کی بات کرتا ہے جہاں ان کو کسی بھی درجے میں کسی زیادتی کا سامنا نہ ہو۔ "یا خدا" اصل میں اس گھٹن زدہ ماحول سے بغاوت کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کہانی کے آخری حصے میں جس نشتر سے اس ناسور کو کاٹا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

"دہی اور بیسن کی اس ملاوٹ پر دنیا کی سب سے بری اسلامی ملت کا مستقبل پروان چڑھ رہا ہے۔" یہ جملہ ایک ایسی زناٹے دار طماچہ ہے، اس غیر انسانی اقدار کے حامل سماج پر جو عورت کے بیدار ہوتے ہوئے شعور کی علامت بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ بظاہر اس تحریر پر مارکسی تانیثیت کے اثرات سے زیادہ تقسیم ہند کے حوالے سے واقعات کا تذکرہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ دراصل جب بھی کوئی ادیب کسی تحریر کو صفحہء قرطاس پر منتقل کرتا ہے تو وہ اپنے پیشِ نظر بہت سے مقاصد کو لے کر چلتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلشی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۷

۲۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ص ۳۴۰

۳۔ - Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, (ed) Shelly Wehmeier, 6th Edition, Oxford University Press, 2000, P- 489

۴۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) ترقی اردو بورڈ کراچی، جلد چہارم ۱۹۸۲، ص ۹۰۸

۵۔ فہمیدہ ریاض، فیمینزم اور ہم، مشمولہ فیمینزم اور ہم (ادب کی گواہی) ادارت، ڈاکٹر فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۱۳ء، ص ۳۲

۶۔ قدرت اللہ شہاب، یا خدا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۰

۷۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، آج کا اردو ادب، رہبر پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۰ء ص ۴۴۷

۸۔ شفیق انجم اردو افسانہ، (بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے تناظر میں) پورب اکادمی، اسلام آباد ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۶

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

۹۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص۳۰۶

۱۰۔ قدرت اللہ شہاب، یاخدا، سنگ مین پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۳۷

۱۱۔ ایضاص۷۸